اسلام کا مزاج اور نمایاں خصوصیات

(ایک اہم فکر انگیز مضمون)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

تلخیص و ترتیب

ڈاکٹر شاہ عباد الرحمن نشاط

سابق پروفیسر ام القریٰ یونیورسٹی، مکہ مکرمہ

ابوالحسن علی ندوی اسٹڈی سرکل نئی دہلی

اسلام کا مزاج اور نمایاں خصوصیات

(ایک اہم فکر انگیز مضمون)

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

تلخیص و ترتیب

ڈاکٹر شاہ عباد الرحمٰن نشاط

سابق پروفیسر ام القریٰ یونیورسٹی، مکہ مکرمہ

ناشر

ابوالحسن علی ندوی اسٹڈی سرکل

نئی دہلی۔۲۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

زیرِنظر مضمون حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی مشہور کتاب ''دستور حیات'' کے ایک باب کا اقتباس ہے جو اس کتاب کا پہلا باب ہے اور اپنی اہمیت اور اچھوتے پن کی بنا پر خصوصی قدر شناسی اور توجہ کا مستحق ہے۔ ایک مسلمان جب اپنے اسلامی عقیدے کے بالکل صحیح ہونے پر مطمئن ہو جاتا ہے تو اس کے سامنے فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے مزاج اور اس کی روح کے بارے میں بھی صحیح علم حاصل کرے تاکہ وہ اطمینان قلب کے ساتھ پورے طور پر اسلام میں داخل ہو سکے اور اس پر عمل کر سکے۔ یہ بات کہ اسلام کا اصل مزاج اور اس کے پیغام کی اصل روح کیا ہے، ایک نہایت حسّاس موضوع ہے اور اس پر اعتماد کے ساتھ گفتگو کرنے کے لئے قرآن کریم، احادیث صحیحہ، اور پیغمبران اسلام کی دعوت کے مرکزی عنوانات اور اسلوب سے واقفیت کے ساتھ تقویٰ، خشیت الٰہی، محبت اور عرفان کے وہ جواہر بھی درکار ہیں جو ایک مصنف کو حق تک پہنچنے میں مدد کرتے ہیں۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ان اکابر امت میں ہیں جن کے علم و فہم اور للّٰہیت پر ملت اسلامیہ کے ہر طبقے نے اعتماد کیا ہے۔ زیرِنظر مضمون میں انہوں نے اسی موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ اپنے لئے اور ناظرین کے لئے اسے انتہائی ضروری اور بصیرت افروز سمجھتے ہوئے ہم اسے ابوالحسن علی ندوی اسٹڈی سرکل کی طرف سے قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

''دستور حیات'' میں یہ مضمون اڑتیس (۳۸) صفحات پر مشتمل ہے۔ ہم نے قارئین کی سہولت کے نقطۂ نگاہ سے اسے مختصر اور اس کی زبان کو گاہے بگاہے آسان

کر دیا ہے تا کہ اس میں پیش کی گئی ضروری باتیں کم از کم اس اقتباس کے ذریعہ ہی لوگوں تک پہونچ جائیں۔ ویسے قارئین سے ہماری یہ مخلصانہ درخواست ہے کہ وہ دستورِ حیات میں شامل اس پورے مضمون کو بھی پڑھیں اور اس پوری کتاب کو بھی اپنے لئے راہنما بنائیں۔ یہ اقتباس تعارف اور شوق پیدا کرنے کی نیت سے تیار کیا گیا ہے، اصل مضمون یا کتاب کے بدل کے طور پر نہیں۔

ابوالحسن علی ندوی اسٹڈی سرکل کا قیام حضرت مولانا ندویؒ کے افکار و ذوق کو عام کرنے کے مقصد سے کیا گیا ہے۔ اس کے زیر اہتمام اب تک کئی کتابچے اور کتابیں شائع کی جا چکی ہیں اور انہیں قارئین تک پہنچانے کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ یہ ایک علمی پلیٹ فارم ہے اور اپنے مقاصد اور کردار میں غیر سیاسی اور غیر تجارتی ہے۔ سرِ دست ہم اہم موضوعات پر صحیح باتیں لوگوں تک پہنچانا چاہتے ہیں جو مسلمانوں میں اتفاق، صحیح فکر اور قوتِ عمل کے پیدا کرنے میں معاون ہو۔ ہم مسلکی تفرقہ اور ٹکراؤ کو دین کی روح کے منافی سمجھتے ہیں اور اسلام کے ''پیامِ انسانیت'' سے دنیا کو متعارف کرانا چاہتے ہیں۔ اس طرح اسلام کی دعوتِ حق و محبت جہاں تک پہنچ سکے۔

اگر کوئی فرد یا ادارہ ہمارے کسی کتابچہ کو لوگوں کے درمیان تقسیم کے لئے اس کی کاپیاں حاصل کرنے کا خواہش مند ہو تو وہ اسے قیمتاً اس ادارے سے حاصل کر سکتا ہیں۔

ہماری ساری کوششوں کا مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا حصول ہے۔

(ڈاکٹر) شاہ عباد الرحمٰن نشاط

نئی دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام کا مزاج اور نمایاں خصوصیات

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

اسلام کا ایک خاص مزاج اور اس کی نمایاں خصوصیات ہیں جن سے واقفیت ہمارے لئے دین سے پورا فائدہ اٹھانے کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ یہ دین ہم تک دنیاوی دانش وروں (wise men) اور فلسفیوں کے ذریعہ نہیں پہونچا ہے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا اتارا ہوا ہے جو ہم تک ایسے نبیوں کے ذریعہ پہونچا ہے جن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی تھی، اور جو اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کی شکل میں مکمل ہو چکا ہے۔ ضروری ہے کہ ہم اس دین کے مزاج اور خصوصیات کو صحیح طور پر سمجھنے کی کوشش کریں تاکہ ہم اس پر صحیح طریقے سے عمل کر سکیں۔ نیچے اسلام کے امتیازی مزاج اور خصوصیات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) عقیدہ کی اہمیت

اسلام کی سب سے پہلی امتیازی اور نمایاں خصوصیت ''عقیدہ'' پر زور، بلکہ اصرار اور سب سے پہلے اس کا مسئلہ حل کر لینے کی تاکید ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک سارے انبیاء اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک متعین عقیدہ (well-defined code of belief) لے کر لوگوں کی طرف آئے جو ان کو وحی کے ذریعہ ملا تھا۔ وہ سارے انبیاء (نبی کی جمع) علیہم السلام اس عقیدے کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے رہے، اسی کے قبول کرنے کا لوگوں سے مطالبہ کرتے رہے اور اس عقیدے کے سلسلے میں (وقت کے دباؤ اور تقاضے کے مطابق) کسی مفاہمت (adjustment) یا اس میں کسی کمی یا تبدیلی کے لئے کبھی تیار نہیں ہوئے۔

ان کے نزدیک ایسا انسان کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا تھا جو اس عقیدے کا ماننے والا نہ ہو جس کو وہ لے کر آئے، چاہے وہ شخص بہتر سے بہتر اخلاقی زندگی اور اعلیٰ سے اعلیٰ انسانی کردار کا حامل ہو۔ یا اس نے کسی بہتر حکومت، بہتر معاشرہ، یا مفید انقلاب کے قائم کرنے میں کامیابی حاصل کر لی ہو۔ [انبیاء کرام کے یہاں فیصلہ کن بات ایک انسان کا عقیدہ ہوتا ہے]

قرآن کریم میں اس حقیقت اور دعوے کے حق میں کثرت سے ثبوت موجود ہیں۔ مندرجہ ذیل آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت میں سارا زور عقیدہ پر ہی ہے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْ إِبْرَاهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءٰؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهُ۔ الآیۃ (الممتحنۃ:۴)

تمہیں ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کے رفقاء کی نیک چال چلنی (ضروری) ہے جب انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ ہم تم سے اور ان بتوں سے جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو، بے تعلق ہیں۔ (اور) تمہارے معبودوں کے (کبھی) قائل نہیں ہو سکتے۔ اور جب تک تم ایک اللہ پر ایمان نہ لاؤ ہم میں تم میں ہمیشہ کھلم کھلا عداوت اور دشمنی رہے گی۔

اور قرآن کریم میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ کا یہی صریح حکم سورہ الکافرون میں ہے جو مکہ مکرمہ میں اس وقت نازل ہوئی جب حالات نرمی اور عقیدہ کی بنیاد پر دشمنی پیدا نہ کرنے اور اس مسئلہ کو اس وقت تک کے لئے ملتوی رکھنے کا تقاضہ کر رہے تھے جب اسلام کو طاقت حاصل ہو جائے۔ لیکن قرآن صاف صاف کہتا ہے:

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ (۱) لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ (۲) وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَا أَعْبُدُ (۳) وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ (۴) وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَا أَعْبُدُ (۵) لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ (۶) (الکافرون)

اے پیغمبر! ان منکرین اسلام سے کہہ دو، اے کافرو، جن (بتوں) کو تم پوجتے ہو، میں (انہیں) نہیں پوجتا۔ اور جس (اللہ) کی عبادت میں کرتا ہوں اس کی تم عبادت نہیں کرتے۔ اور میں پھر کہتا ہوں کہ جن کی تم پرستش کرتے ہو، ان کی میں پرستش کرنے والا نہیں ہوں۔ اور نہ تم اس کی بندگی کرنے والے (معلوم ہوتے) ہو، جس کی میں بندگی کرتا ہوں۔ تم اپنے دین پر، میں اپنے دین پر۔

اسی طرح سیرت مبارکہ میں بھی عقیدے کی غیر معمولی اہمیت کی تصریح ملتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے کہ غزوۂ بدر کے لئے پیش قدمی کے دوران حرۃ الوبرۃ نامی مقام پر

ایک شخص نے جس کی جرأت و بہادری کی شہرت تھی اور جس کے شامل ہونے سے مسلمانوں کی کمزور جماعت کو بہت مدد مل سکتی تھی، حضور اکرم ﷺ سے آکر مال غنیمت میں شرکت کی شرط پر مسلمانوں کی طرف سے جنگ میں شریک ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ حضور اکرم ﷺ نے اس سے پوچھا: "کیا تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتے ہو؟" اس نے کہا "نہیں" آپ نے فرمایا، "واپس جاؤ، اس لئے کہ میں کسی مشرک سے مدد نہیں لے سکتا۔" وہ واپس چلا گیا، لیکن جب حضور ﷺ شجرہ نامی مقام پر پہونچے تو وہ پھر آیا۔ اس سے دوبارہ اس طرح سوال و جواب ہوا جس کے بعد آپ نے پھر فرمایا: "جاؤ، میں مشرک سے مدد نہیں لیتا۔" وہ چلا گیا لیکن بیداء نامی مقام پر وہ پھر آیا۔ آپ نے پھر دریافت فرمایا: "کیا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہو؟" اس نے کہا "ہاں۔" اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، "تو چلو۔" [مسلم]

(۲) اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی اصل مقصود

اسلام کی دوسری امتیازی صفت یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی (جن میں سر فہرست حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے) دعوت و تبلیغ اور جہد و جہاد کا اصل محرک اور سبب صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی طلب ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسی تیز تلوار ہے جو اس اعلیٰ مقصد (اللہ کی رضا کے لئے ہی ساری کوشش کرنے) کے علاوہ ہر مقصد کو کاٹتی اور نیست و نابود کر دیتی ہے۔ پھر ان کے دل میں نہ دنیا کے حصول کی طلب رہتی ہے، نہ ملک و دولت اور سلطنت و ریاست کی چاہت، نہ سر بلندی اور عزت کی خواہش، نہ غلبہ اقتدار کی ہوس، نہ عیش و عشرت کی تمنا، نہ غیض و انتقام کا جذبہ، نہ جاہلی حمیت کا جوش۔ [وہ اپنی پیغمبرانہ دعوت کے ہر موڑ پر اور اپنی دعوت اور جدوجہد کے ہر قدم پر اس بات کو اپنی کامیابی سمجھتے ہیں کہ ان کے ہر عمل سے اللہ راضی ہو]۔

آپ نے طائف کا سفر اسلام کی دعوت پیش کرنے کی نیت سے کیا تھا، لیکن بظاہر وہ مقصد پورا نہیں ہوا۔ طائف کے ایک شخص نے بھی اسلام قبول نہیں کیا [بلکہ آپ ﷺ کو پتھروں سے لہو لہان کر دیا]۔ آپ نے اس موقعہ پر جو دعاء فرمائی اس میں اپنی بے سروسامانی اور لوگوں میں تحقیر کے سلسلے میں اللہ سے فریاد کی، لیکن اس کے آخر میں ان کی یہ نبوی فکر ابھر آئی [کہ لوگوں کی اس بد سلوکی کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی تو نہیں ہے]۔ آپ نے فرمایا: "اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے بھی اس کی پرواہ نہیں [کہ لوگوں میرے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں]۔ لیکن تیری عافیت میرے

لئے زیادہ وسیع ہے۔" (زادالمعاد۔ ج ۱، ص ۳۰۲)

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی نو سو پچاس سالہ دعوتی کوششوں کے بعد بھی ان پر "بہت کم لوگ ایمان لائے" (سورۃ ہود ۔ ۴۰)۔ لیکن اس کی وجہ سے وہ اپنی محنت کو بے کار اور رائیگاں نہیں سمجھتے اور نہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کے پیغمبرانہ مقام اور درجہ قربت میں کچھ فرق آتا ہے۔ [ان کی دعوتی کوششوں کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا تھا جس میں وہ کامیاب ہوئے]۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی تھا اور وہ اللہ سے راضی تھے۔ اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نہایت واضح اور مضبوط طور پر اس طرح فرمائی:

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ (۷۸) سَلَامٌ عَلَى نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ (۷۹) إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ (۸۰) إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ (الصافات ۷۸۔۸۱)

اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں ان کا ذکر (جمیل باقی) چھوڑ دیا۔ یعنی تمام جہاں میں نوحؑ پر سلام ہو۔ نیکوکاروں کو ہم ایسے ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں تھے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمانوں کو اس طاقت اور غلبہ کے حاصل کرنے کے لئے فکر اور اہتمام کرنے کی ضرورت نہیں ہے جس کے ذریعہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کو زمین پر نافذ کر سکتے ہیں، دین کی راہ میں پیش آنے والی رکاوٹوں کو ہٹا سکتے ہیں، زمین میں فساد، ظلم اور باطل کے غلبہ کی آگ بجھا سکتے ہیں، اور ایمانی معاشرہ کے لئے سازگار ماحول تیار کر سکتے ہیں۔ [مسلمان ایسے ہر ذریعہ کو حاصل کرنے اور استعمال میں لانے کی کوشش کریں گے جس سے سازگار ماحول قائم ہو سکے اور لوگوں کے لئے دین پر چلنا آسان ہو جائے]۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ [الحج ۔ ۴۱]

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو وہ نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے۔

اللہ تعالی نے مومنین کے لئے سر بلندی اور عزت وغلبہ کا وعدہ فرمایا ہے، لیکن اس شرط پر کہ انہوں نے اپنے اندر ایمان والی صفات پیدا کرلی ہوں اور ان کی ہر کوشش کا مقصد صرف اللہ کی خوشنودی اور رضا کا حاصل کرنا ہو، نہ کہ عزت واقتدار کا حصول۔ کیونکہ عزت واقتدار نتیجہ ہے نہ کہ مقصد، انعام ہے نہ کہ غرض وغایت۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (آل عمران ۱۳۹)

اور دیکھو بے دل نہ ہونا اور نہ کسی طرح کا غم کرنا۔ اگر مومن (صادق) ہو تو تمہیں غالب رہو گے۔

[چونکہ ایمان کامل انسان کے دل کو "قلب سلیم" بنا دیتا ہے اس لئے] قرآن کریم نے جگہ جگہ اس کی صراحت فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس چیز کا مطالبہ ہے وہ ''قلب سلیم'' ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ (۸۸) إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (الشعراء۔ ۸۸۔۸۹)

جس دن نہ مال ہی کچھ فائدہ دے سکے گا اور نہ اولاد۔ ہاں جو شخص اللہ کے پاس پاک دل لے کر آیا (وہ بچ جائے گا)۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: "إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ " (الصافات۔۸۴)۔ اس لئے ہر اس چیز سے احتیاط رکھنے اور بچنے کی ضرورت ہے جو ہمارے دل کو ''قلب سلیم'' بننے سے روکنے والی ہو اور جس سے اس کا خطرہ ہو کہ وہ ہمارے دل میں جھوٹے معبود کی حیثیت سے جگہ لینے کی کوشش کرے گی [اسلئے کہ نفس اس کی تاک میں رہتا ہے اور کامیاب بھی ہو جاتا ہے]۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ (الجاثیۃ ۲۳)

کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو معبود بنا رکھا ہے؟

(۳) شریعت میں تبدیلی نا قابل قبول

اسلام کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ انبیاء کرامؑ ان عقائد، دعوت و پیغام اور شریعت کے بارے میں جن کو وہ لے کر آتے ہیں، بڑے غیور واقع ہوتے ہیں [اور اس کو بالکل اسی مقام و نہج پر رکھتے ہیں،

جس پر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اترتا ہے۔[اس سلسلے میں مندرجہ ذیل باتیں قابل غور ہیں]

(الف) شریعت میں تبدیلی نہیں:

وہ کسی حال میں بھی (خواہ دعوت کی مقبولیت اور کامیابی کی مصلحت کا تقاضہ ہی کیوں نہ ہو) اس کے لئے تیار نہیں ہوتے کہ اپنی دعوت اور شریعت میں کوئی تبدیلی کرنا گوارا کرلیں۔ اللہ کی طرف سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی حکم ہے۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ۔٦٧)

اے پیغمبر! جو ارشادات تم پر اللہ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں، سب لوگوں کو پہونچا دو۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم اللہ کے پیغام پہونچانے میں قاصر رہے۔ اور اللہ تم کو لوگوں سے بچائے رکھے گا۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں یہی نبوی مزاج اور غیرت غالب ہے)۔ طائف کی فتح کے بعد جب وہاں کے مشہور قبیلہ ثقیف کے وفد نے مدینہ حاضر ہوکر اسلام قبول کیا تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ وہاں کے مشہور بت ''لات'' کو کچھ دنوں کے لئے نہ توڑا جائے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ درخواست نہ مانی۔ چنانچہ آپ کے حکم سے لات کو ڈھادیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی پورا ثقیف قبیلہ بلکہ پورا طائف مسلمان ہوگیا۔

(ب) دعوت میں نبوی منہج:

انبیاء کرامؑ اپنی گفتگو اور دعوت میں وہی اسلوب اور تعبیرات استعمال کرتے ہیں جو ان کے نبوی مزاج کے رنگ میں رنگی ہوتی ہیں۔ وہ کھل کر اور صاف صاف آخرت کی دعوت دیتے ہیں۔ جنت اور اس کی نعمتوں کا شوق دلاتے ہیں، دوزخ کے عذاب اور اس کی ہولناکیوں سے ڈراتے ہیں اور جنت و دوزخ کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں گویا وہ نگاہوں کے سامنے ہیں۔ وہ عقلی دلیل، مصلحت اور (دنیاوی) فائدوں کے بجائے غیب پر ایمان کا مطالبہ کرتے ہیں۔

وہ اپنے زمانے میں رائج فلسفے اور اصطلاحات (terms) سے خوب واقف ہوتے ہیں، لیکن لوگوں کو قریب کرنے اور دعوت دینے کے لئے وہ اس کا استعمال نہیں کرتے۔ وہ اللہ تعالیٰ پر اس کی صفات اور افعال کے ساتھ، فرشتوں پر، تقدیر پر (اچھی ہو یا بری)، اور موت کے بعد

اٹھائے جانے پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں۔ وہ بغیر کسی تردد اور معذرت کے یہ اعلان کرتے ہیں کہ ان کی دعوت قبول کرنے اور ان پر ایمان لانے کا انعام جنت اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے۔

بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر جب مدینہ منورہ کے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ لے جانا چاہا تو انہوں نے آپ سے یہ پوچھا کہ انہیں اپنی جان و مال اور اولاد کو خطرے میں ڈال کر آپ کا ساتھ دینے کے بدلے میں کیا ملے گا؟ مناسب تھا کہ انہیں یہ جواب دیا جاتا کہ اسلام کے جھنڈے تلے تم سب ایک ہو جانے کے بعد ایک طاقت بن کر ابھرو گے اور پورے عرب میں تمہارا وجود تسلیم کیا جائے گا۔ لیکن اس سوال کے جواب میں کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم: اگر ہم نے وعدہ وفا کر دکھایا تو ہمیں کیا ملے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزانہ جواب تھا ''جنت''۔

(ج) شریعت کو نافذ کرنے میں نبوی غیرت:

اسی طرح پیغمبر شریعت کو نافذ کرنے کے سلسلے میں بھی اسی غیرت ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ایک بار جب قبیلہ مخزوم کی ایک خاتون کے لئے چوری کی سزا میں ہاتھ کاٹنے کا حکم ہوا اور اسامہ بن زیدؓ نے ان خاتون کے حق میں آپ سے سفارش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی نبوی غیرت کے ساتھ یہ جواب دیا: ''اے لوگو! تم سے پہلے امتیں اس لئے ہلاک ہوئیں کہ جب ان میں کوئی عزت والا اور خاندانی آدمی چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے۔ اور کوئی کمزور اور معمولی آدمی چوری کرتا تو اس پر حد نافذ کرتے (اسے شرعی سزا دیتے)۔ قسم ہے خدائے پاک کی اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) بھی چوری کرے گی تو میں اس کا ہاتھ کاٹنے سے دریغ نہیں کروں گا۔'' (صحیح مسلم)

اس کا مطلب یہ نہیں کہ انبیاء کرام اپنی دعوت و تبلیغ میں حکمت سے کام نہیں لیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اللہ تعالیٰ کا صریح حکم تھا کہ وہ لوگوں کو حکمت اور نیک نصیحت کے ساتھ اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلائیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے صحابہ کو آسانی پیدا کرنے اور خوش خبری دینے، اور سختی نہ کرنے اور لوگوں کو متوحش نہ کرنے کی تاکید کرتے تھے۔ لیکن اس آسانی پیدا کرنے کے حکم کا تعلق مسلمانوں کی تعلیم و تربیت اور ایسے جزوی (secondary) مسائل سے تھا جن کا عقائد اور دین کے بنیادی اصولوں سے کوئی تعلق نہیں۔ جن باتوں کا تعلق عقائد اور حدود الٰہیہ سے ہے ان میں ہر دور کے انبیاء کرامؑ فولاد سے زیادہ بے لچک اور پہاڑ سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔

(۴) آخرت کی اہمیت پر زور

انبیاءکرام کی دعوت کے خدوخال میں ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ ان کا اصل زور آخرت کی کامیابی پر ہوتا ہے۔ وہ اس کا کثرت سے ذکر کرتے ہیں اور اس کا اس درجہ اہتمام وفکر کرتے ہیں کہ وہ ان کی دعوت کا مرکزی نقطہ اور محور بن جاتی ہے۔ ان کے واقعات اور اقوال کا مطالعہ کرنے والا صاف محسوس کرتا ہے کہ آخرت ان کا نصب العین (مقصود) ہے اور ان کے لئے ایک ایسی حقیقت ہے جس پر یقین کامل ان کے دل ودماغ پر چھایا نظر آتا ہے۔ آخرت میں انعام اور عذاب کا ہمہ وقت خیال ان کو بے چین رکھتا اور ان کی راتوں کی نیند اور دن کا اطمینان اس طرح اڑا دیتا ہے کہ ان کو کسی پہلو قرار نہیں آتا۔

انبیاء کی آخرت پر ایمان کی دعوت اور اس کی اہمیت کی تبلیغ صرف اخلاقی یا اصلاحی ضرورت کے لئے نہیں تھی جس کے بغیر اسلامی معاشرہ (society) یا کوئی صالح معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا، اور نہ ہی پاکیزہ تمدن (civilisation) کی بنیاد پڑ سکتی ہے۔ [حالانکہ ایمان بالآخرت کی برکت سے یہ فائدے حاصل ہو جاتے ہیں لیکن وہ انبیاء کی دعوت کا نتیجہ ہوتے ہیں اس کا مقصود نہیں۔ دراصل آخرت پر ایمان اسلام کے تین بنیادی عقیدوں میں سے ایک ہے]۔ انبیاء کے طریق دعوت وتبلیغ میں آخرت پر ایمان کی دعوت وجدانی کیفیت، قلبی جذبہ اور دردمندی کے ساتھ ہوتی ہے۔ دوسرے طریقے میں (غیر نبوی طریقے کے مطابق کام کرنے والوں کے یہاں) ایمان بالآخرت ایک ضابطہ اور ضرورت کی حیثیت رکھتا ہے اور اخلاقی اور معاشرتی ضرورت کی حد تک ہی اس کی تلقین کی جاتی ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ سے تعلق کی اصل روح

اس میں کوئی شک میں نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی حاکم حقیقی اور فرمانروائے مطلق ہے اور شریعت سازی صرف اسی کا حق ہے۔ لیکن ان اسماء وصفات اور افعال الٰہی جن کے ذکر سے قرآن شریف بھرا ہوا ہے اور ان آیات کا جن میں اللہ تعالیٰ سے محبت اور کثرت سے اس کا ذکر کرنے کی ترغیب آتی ہے، صاف تقاضا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے دل وجان سے محبت کی جائے، اس کی طلب ورضا میں جان کھپا دی جائے، اس کی دھن ہر وقت دل ودماغ میں سمائی رہے، اس کے خوف سے انسان ہر وقت لرزاں وترساں رہے، اس کے سامنے ہر وقت دست طلب پھیلا رہے، اس کے جمال

جہاں آراء پر ہر وقت نگاہیں جمی رہیں، اوراس کی راہ میں سب کچھ لٹا دینے، مٹا دینے، حتیٰ کہ سر کٹا دینے کا جذبہ دل میں بیدار رہے۔ مثلاً وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ (البقرۃ ۱۶۵) ''مومنین اللہ تعالیٰ سے شدید محبت کرتے ہیں'' اور يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ (المائدہ ۵۴) ''جن کو وہ (اللہ) دوست رکھے اور جسے وہ دوست رکھیں'' اور وہ آیات ملاحظہ ہوں جن میں ذکر اللہ کی ترغیب وتاکید ہے اور انبیاء کی محبت الٰہی، شوق وتڑپ اور عزیز ترین چیزوں کی قربانی کا ذکر ہے۔

(۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کی اصل روح

انبیاء کرامؑ، جن کے سرگروہ خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، کا تعلق ان قوموں سے جن کی طرف وہ بھیجے جاتے ہیں ڈاکیہ جیسا نہیں ہوتا (کہ قوموں کو اللہ کا پیغام پہونچا دینے کے بعد ان کی کوئی خاص ضرورت نہیں رہ جاتی)۔

حقیقت یہ ہے کہ انبیاء پوری انسانیت کے لئے اسوۂ کامل اور اعلیٰ قابل تقلید نمونہ (ideal model) ہوتے ہیں۔ وہ اخلاق، ذوق ورجحان اور کسی بات کو قبول یا رد کردینے میں سب سے مکمل اور آخری معیار ہوتے ہیں۔ وہ عنایات الٰہی، الطاف وتجلیات کا مرکز ہوتے ہیں۔ ان کے اخلاق وعادات اور ان کی زندگی کا طور وطریق سب اللہ تعالیٰ کی نظر میں محبوب ہو جاتے ہیں اور جو شخص انہیں اپنی زندگی میں اپناتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قرآن میں فرمان الٰہی ہے:

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (آل عمران۔۳۱)

اے پیغمبر! ''لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کردے گا، اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

یہی حکم حدیث شریف میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''اس وقت تک تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوگا جب تک میں اس کو اپنی اولاد، والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔'' (بخاری ومسلم)

دوسری حدیث میں ہے۔

''تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہ ہوگا جب تک میں اسے اپنی ذات سے زیادہ عزیز و محبوب نہ ہوں۔'' (مسند احمد)

(۷) اسلام دین کامل

اسلام کی ایک خصوصیت اس کی کاملیت (یعنی یہ کہ دین اب مکمل ہو چکا ہے) اور اس کا دوام (یعنی یہ اپنے آغاز سے لے کر قیامت تک صحیح شکل میں موجود رہے گا) ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ عقیدہ اور شریعت اور دنیا میں جن چیزوں پر سعادت اور آخرت میں نجات کا دارومدار ہے، ان کی مکمل تعلیم دی جا چکی۔ اور اب یہ دین اپنے کمال اور پوری نافعیت کے ساتھ ساری انسانی ضرورتوں اور تقاضوں کو پورا کرنے اور ہمیشہ باقی رہنے کی صلاحیت کی آخری منزل پر پہونچ چکا ہے، اور قرآن میں صاف صاف یہ اعلان کر دیا گیا ہے:

اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلَامَ دِيناً (المائدہ۔۳)

آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

یہ اس بات کا اعلان ہے کہ حضرت محمد ﷺ "خاتم النبیین ہیں اور اسلام آپ کا پیش کردہ آخری مذہب ہے۔ اس واضح اعلان کے بعد انسانیت اس خطرے سے محفوظ ہو گئی کہ اب کوئی شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرے یا کوئی مصلح نئی شریعت پیش کرے۔

(۸) اسلام کی حفاظت اور بقا کا انتظام

اسلام کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ اپنی (صحیح شکل)، اصل حقیقت اور تروتازگی کے ساتھ باقی ہے۔ اس کی کتاب (قرآن) محفوظ اور ہر زمانے میں آسانی سے سمجھ میں آنے والی ہے۔ اس کی ماننے والی امت (مسلمان) عام گمراہی اور جہالت اور اجتماعی طور پر دین سے بھٹک جانے سے محفوظ ہے جس میں دوسرے مذاہب اپنی تاریخ کے کسی دور میں، اور مسیحیت کے ماننے والے بالکل شروع ہی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ (اسلام کے اصل ماخذ قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے اور اس کی مکمل حفاظت اس طرح کی جا رہی ہے کہ اسکے الفاظ اور قرأت

(یعنی پڑھنے کے طریقے) کے ساتھ ساتھ ان کے معانی ومفہوم، تشریح، اس کی تعلیمات کی عملی شکل اور زندگی میں اس کے برتنے کا طریقہ، یہ سب اللہ کی حفاظت کے دائرے میں ہیں۔ قرآن کی مکمل حفاظت کا یہی مفہوم ہے کہ اسکے الفاظ کے ساتھ ان کے معانی و پیغام، اور ان پر عمل کرنے کی صحیح شکلیں بھی ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوں۔

(۹) اسلام پر عمل کا نبوی نمونہ

چونکہ اسلام ایک زندہ (اور عملی) دین ہے، (نرا فلسفہ نہیں)، اسلئے اس کو (صحیح طور پر سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس کے مطابق اپنی زندگی ڈھالنے کے لئے) ایک مناسب ماحول اور فضا (اور عملی ڈھانچہ اور نمونہ) کی ضرورت ہے (تا کہ وہ ہر شخص کے لئے ہر زمانے میں اور زندگی کے ہر موڑ پر فکری راہنمائی کے ساتھ ساتھ عملی نمونہ بھی مہیا کر سکے) جو عقیدہ و عملی سیرت و اخلاق، جذبات و احساسات اور ذوق وشوق سب کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہو۔

دین کے لئے یہ سازگار ماحول وفضا (اور عملی نمونہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و ہدایات، مبارک طریقہ حیات اور سنتیں مہیا کرتی ہیں۔ یہ ماحول وفضا (اور عملی ڈھانچہ اور نمونہ) جو زندگی کے ہر گوشے کا احاطہ کرتا ہے، حدیث نبوی کی شکل میں مسلمانوں کو میسر بھی ہے اور وہ پوری طرح محفوظ بھی ہے۔ اسی کی بدولت حیاۃ طیبہ (مثالی پاکیزہ زندگی) کا عملی نمونہ امت مسلمہ کے سامنے ہے۔ سنت واحادیث کے مجموعے ہی ہمیشہ امت مسلمہ میں صحیح اسلامی فکر کا سرچشمہ رہے۔ انہیں کی روشنی میں علماء کرام صحیح اور غلط اور سنت و بدعت میں فرق کرنے کے قابل ہوئے اور انہیں کی مدد سے اس امت میں اصلاح کا کام سرانجام دیا جا سکا۔ جب بھی حدیث وسنت سے تعلق و واقفیت میں کمی آئی، مسلم معاشرہ بدعات، جاہلی رسم ورواج اور غیر اسلامی اثرات کا شکار ہو گیا۔

یہ ہے دین کا وہ خاص مزاج، امتیازی صفات اور نمایاں خط وخال جو اسے دوسرے مذاہب اور فلسفوں سے ممتاز کرتا ہے۔ اسی کے ذریعہ ہم ہر دور میں دین کی سیدھی راہ پر قائم بھی رہ سکتے ہیں اور اس کی خدمت وحفاظت کی سعادت وتوفیق بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

(ماخوذ: دستور حیات: ۲۰۔۵۷)

عبادات قلبی

علامہ سید سلیمان ندویؒ

اسلام کے ان عبادات کے بعد جنہیں جسمانی و مالی عبادات کہا جاتا ہے (نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج)، اگرچہ دل کے اخلاص میں ان کا بھی شمول ہے، لیکن اسلام میں بعض ایسی عبادات بھی ہیں جن کا تعلق تمام تر قلبی احوال اور نفس کی اندرونی کیفیتوں سے ہے۔ (یہ بات واضح ہے) کہ اسلام میں ہر نیکی کا کام جو خدا کی رضا کے لئے ہو، عبادت ہے۔ اس لئے تمام امور خواہ وہ جسمانی، مالی، یا قلبی ہوں، عبادت کے اندر داخل ہیں۔ فقہاء نے صرف جسمانی و مالی عبادات سے بحث کی ہے، لیکن حضرات صوفیہ نے جسمانی و مالی عبادات کے ساتھ قلبی عبادات کو بھی شامل کرلیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ فقہاء نے اپنا فرضِ منصب صرف جسمانی اور مالی فریضوں تک محدود رکھا ہے، اور صوفیہ نے ان سارے فریضوں کو یک جا کیا ہے جن سے اسلام نے انسان کے قلب وروح کی درستی کا کام لیا ہے۔ پیشِ نظر تصنیف (سیرت النبی، جلد پنجم، جہاں سے یہ مضمون لیا گیا ہے) نہ تو فقہ کی کوئی کتاب ہے اور نہ تصوف کی۔ اس کا مقصود ان فرائض کا بتانا ہے جن کی تاکید و توصیف قرآن پاک نے بار بار کی ہے، اور اسی تاکید و توصیف سے ہم کو اسلام میں ان کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔

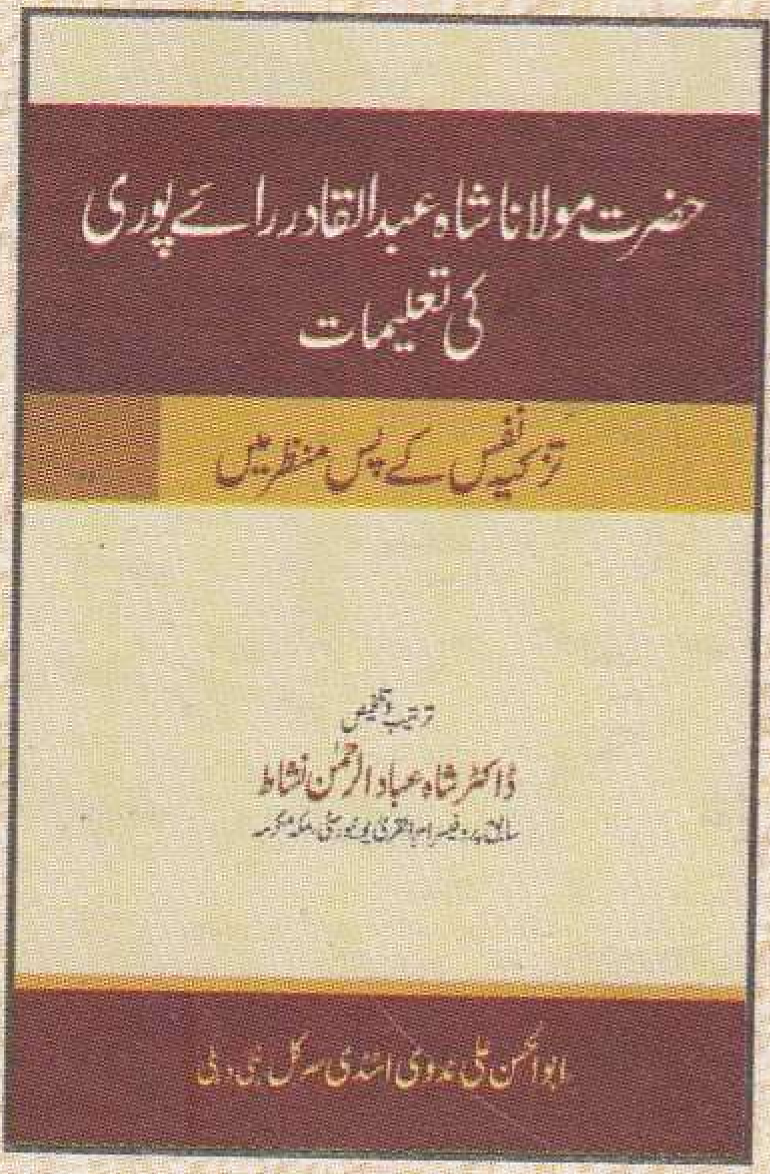
اس قسم کے چند فرائض جن کا مرتبہ عبادات پنج گانہ کے بعد قرآن پاک میں سب سے زیادہ نظر آتا ہے، وہ تقویٰ، اخلاص، توکل، صبر، اور شکر ہیں۔ یہ وہ فرائض ہیں جن کا تعلق انسان کے قلب سے ہے اور اسی لئے ان کا نام ''قلبی عبادات'' رکھا جاسکتا ہے۔ یہ وہ فرائض یا قلبی عبادات ہیں جو اسلام کی روح اور ہمارے تمام اعمال کا اصلی جوہر ہیں، جن کے الگ کردینے سے وہ عبادات پنج گانہ بھی، جن پر اسلام نے اس قدر

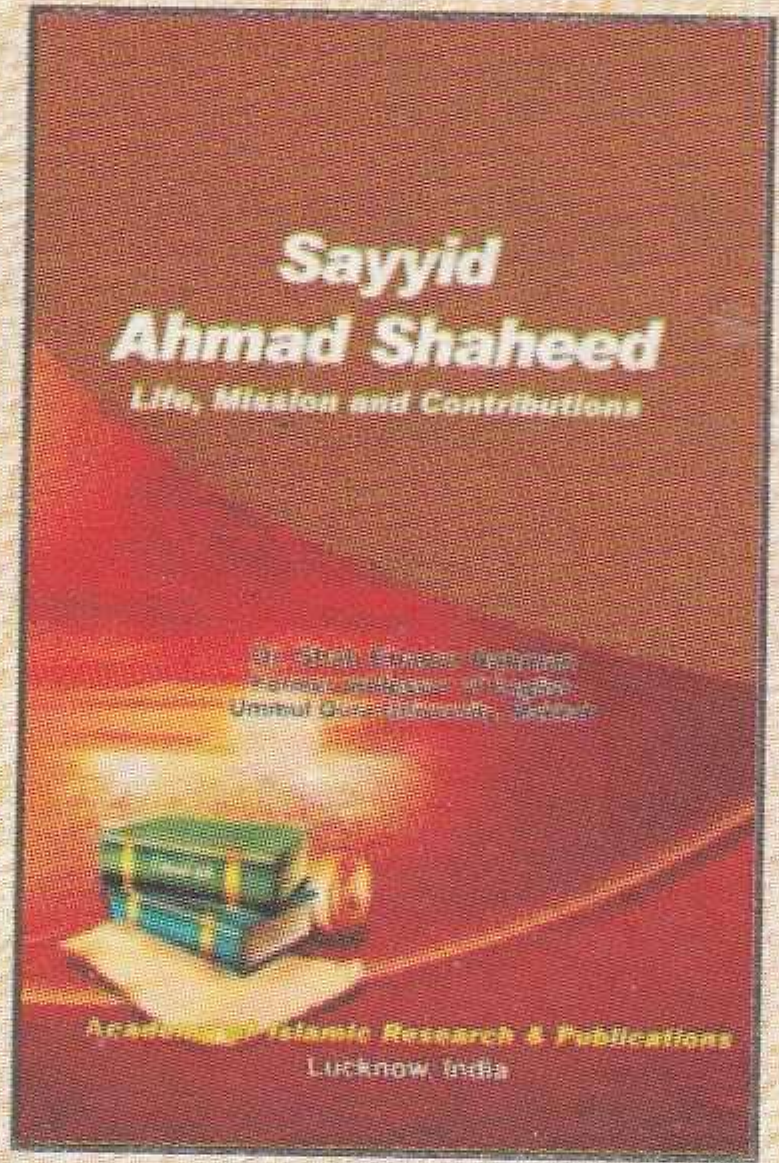
زور دیا ہے، جسدِ بے روح (مردہ جسم) بن جاتے ہیں۔ یہ بات گو یہاں بے محل ہے، مگر کہنے کے قابل ہے، کہ فقہ اور تصوف کی ایک دوسرے سے علیحدگی نے ایک طرف عبادات کو خشک و بے روح اور دوسری طرف اعمال تصوف کو آزاد اور بے قید کر دیا ہے۔

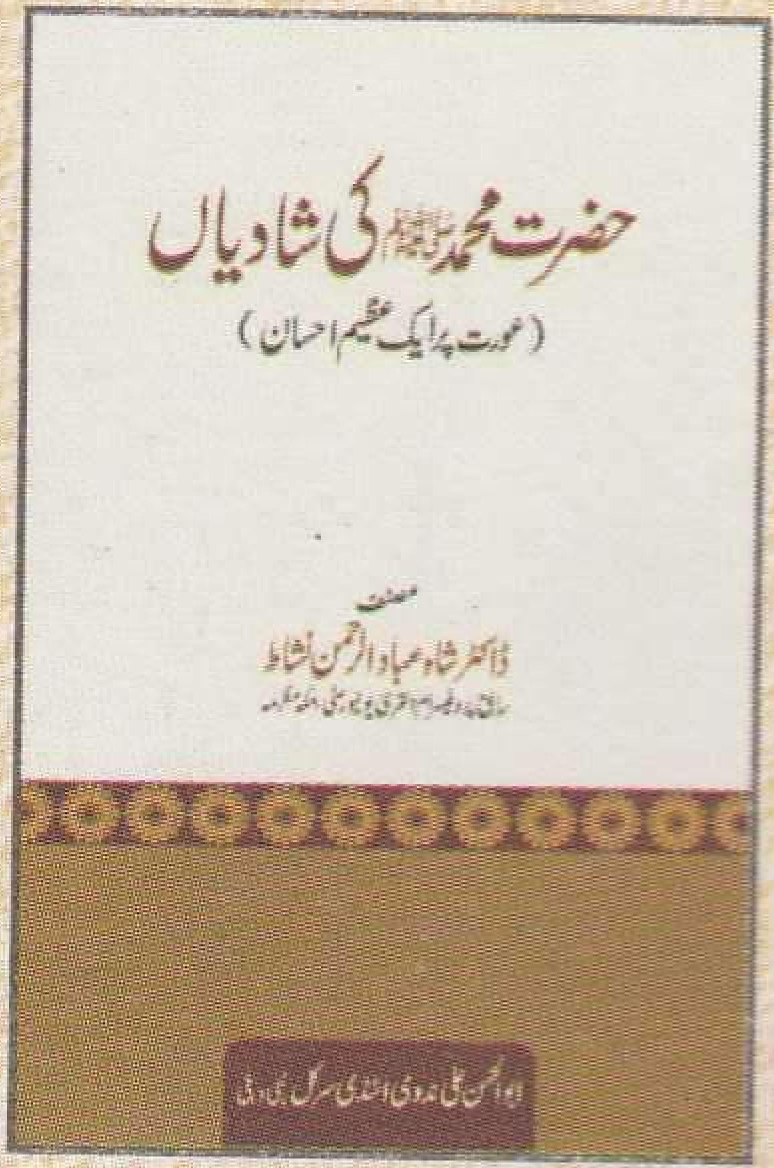
ہر اچھے کام کے کرنے اور برائی سے بچنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ضمیر کا احساس بیدار اور دل میں خیر و شر کی تمیز کے لئے خلش ہو، یہ تقویٰ ہے۔ پھر اس کام کو خدائے واحد کی رضا مندی کے سوا ہر غرض و غایت سے پاک رکھا جائے، یہ اخلاص ہے۔ پھر اس کام کے کرنے میں صرف خدا کی نصرت پر بھروسہ رہے، یہ توکّل ہے۔ اس کام میں رکاوٹیں اور دقتیں پیش آئیں، یا نتیجہ مناسب حال برآمد نہ ہو، تو دل کو مضبوط رکھا جائے اور خدا سے آس نہ توڑی جائے، اور اس راہ میں اپنے برا چاہنے والوں کا بھی برا نہ چاہا جائے، یہ صبر ہے۔ اور اگر کامیابی کی نعمت ملے تو اس پر مغرور ہونے کے بجائے اس کو خدا کا فضل و کرم سمجھا جائے اور جسم و جان اور زبان سے اس کا اقرار کیا جائے، اور اس قسم کے کاموں کے کرنے میں اور زیادہ انہماک صرف کیا جائے، یہ شکر ہے۔

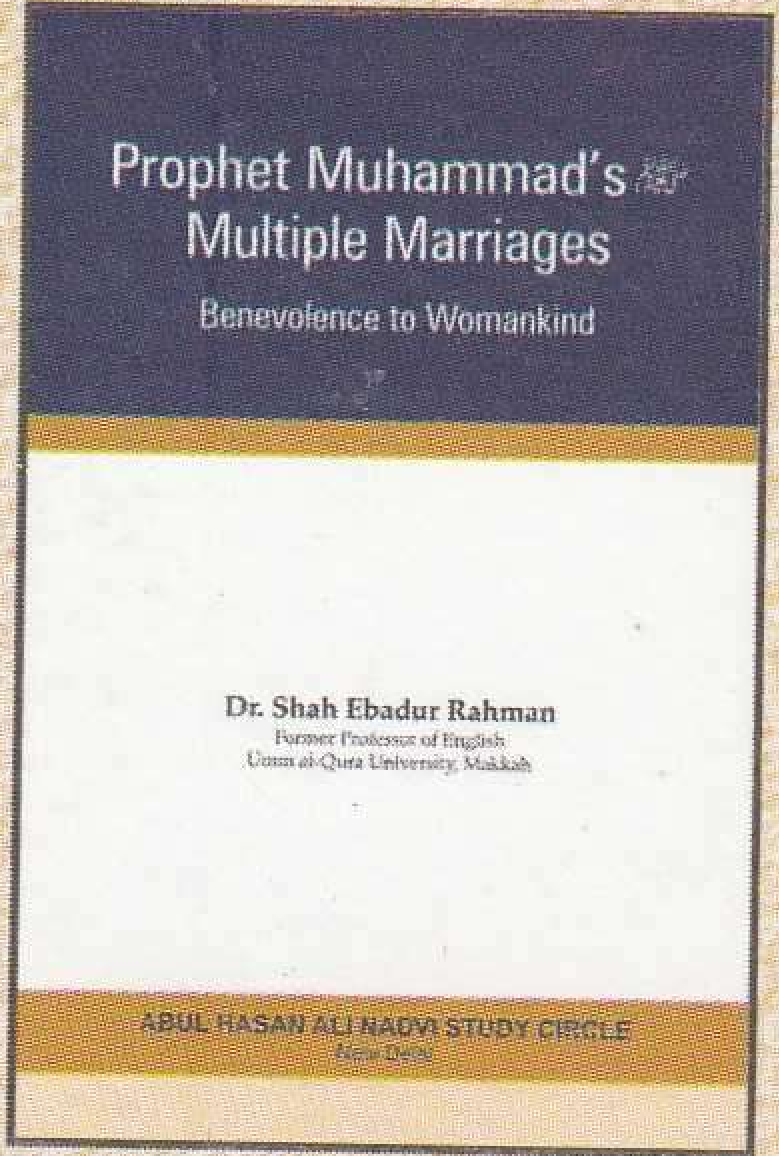
(ماخوذ: سیرت النبی، جلد پنجم، ص ۲۸۲-۲۸۳)

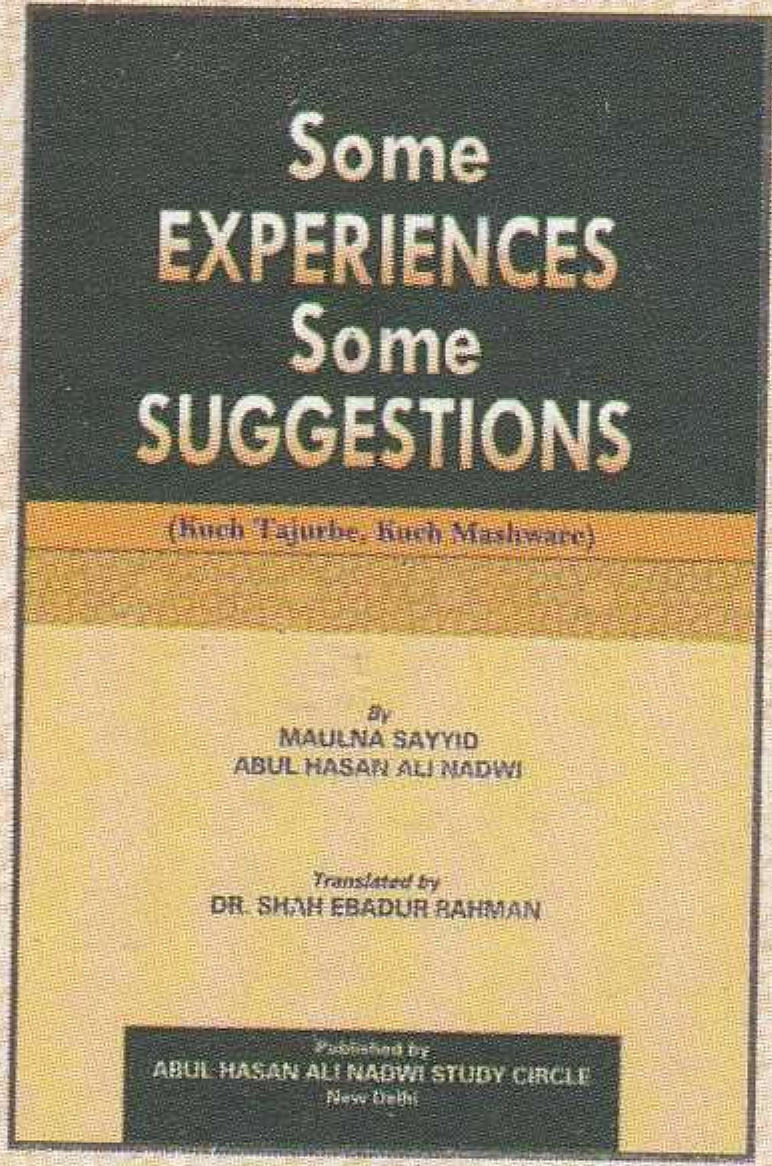
04.11.2016

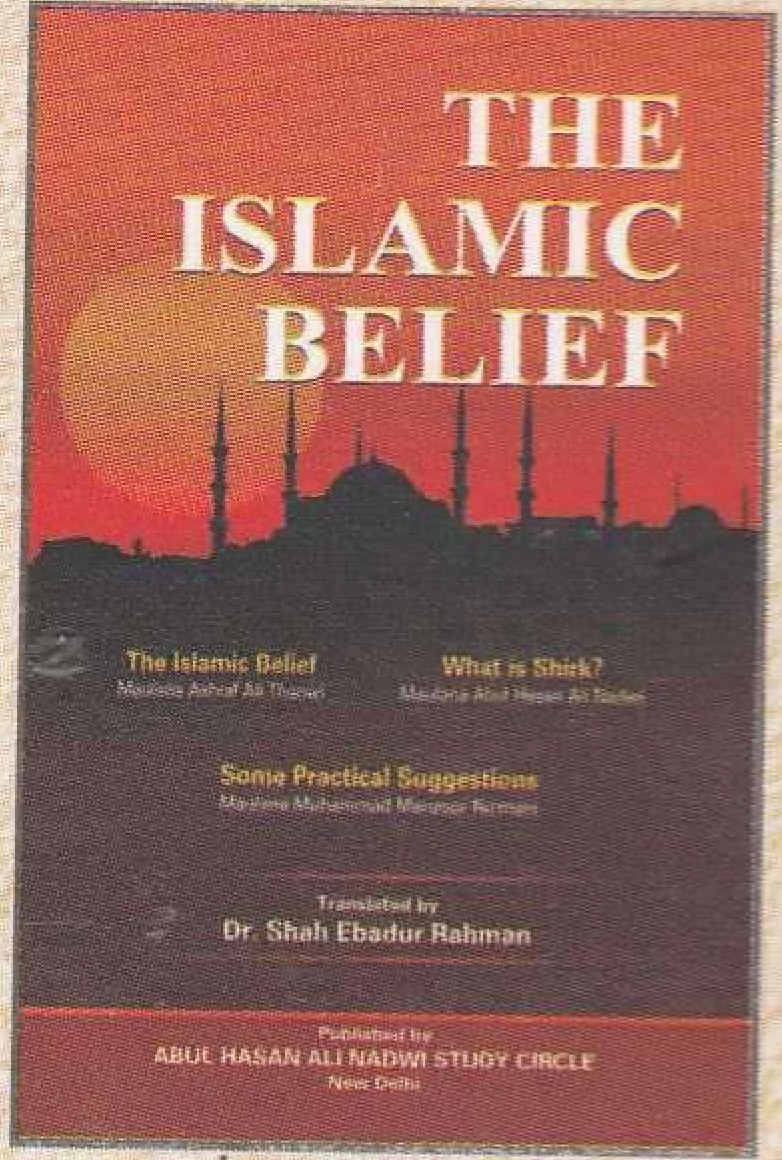


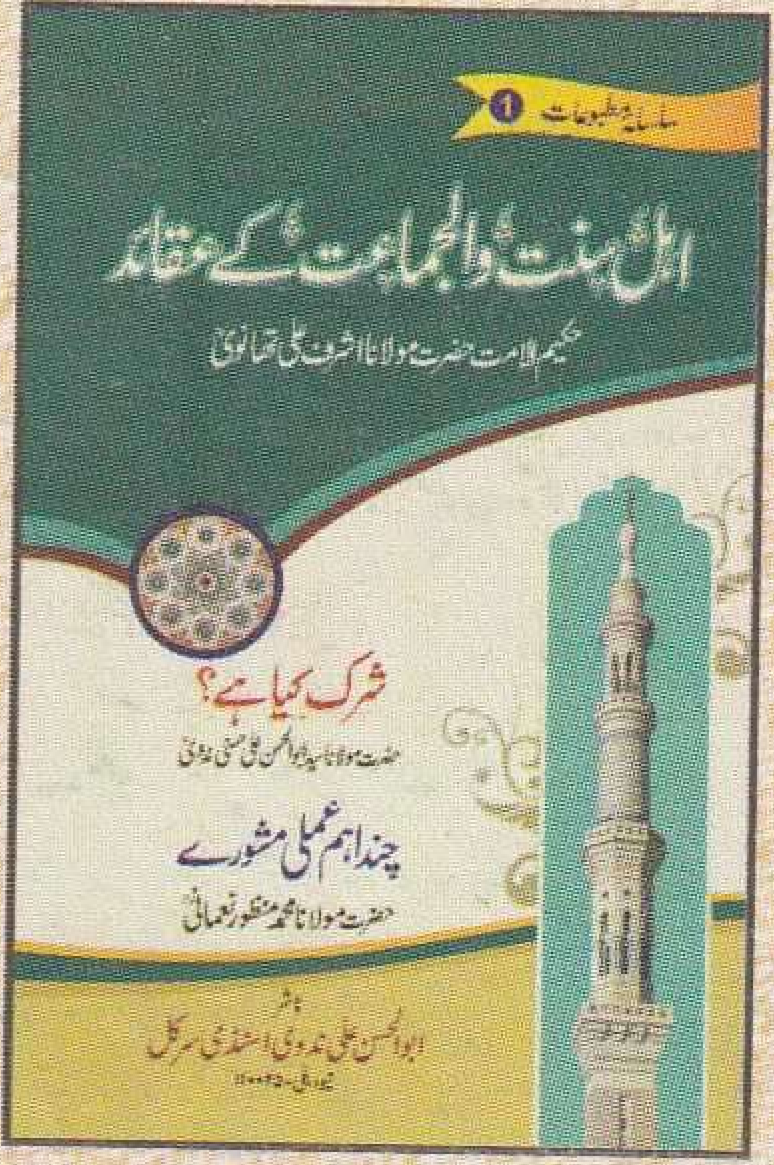


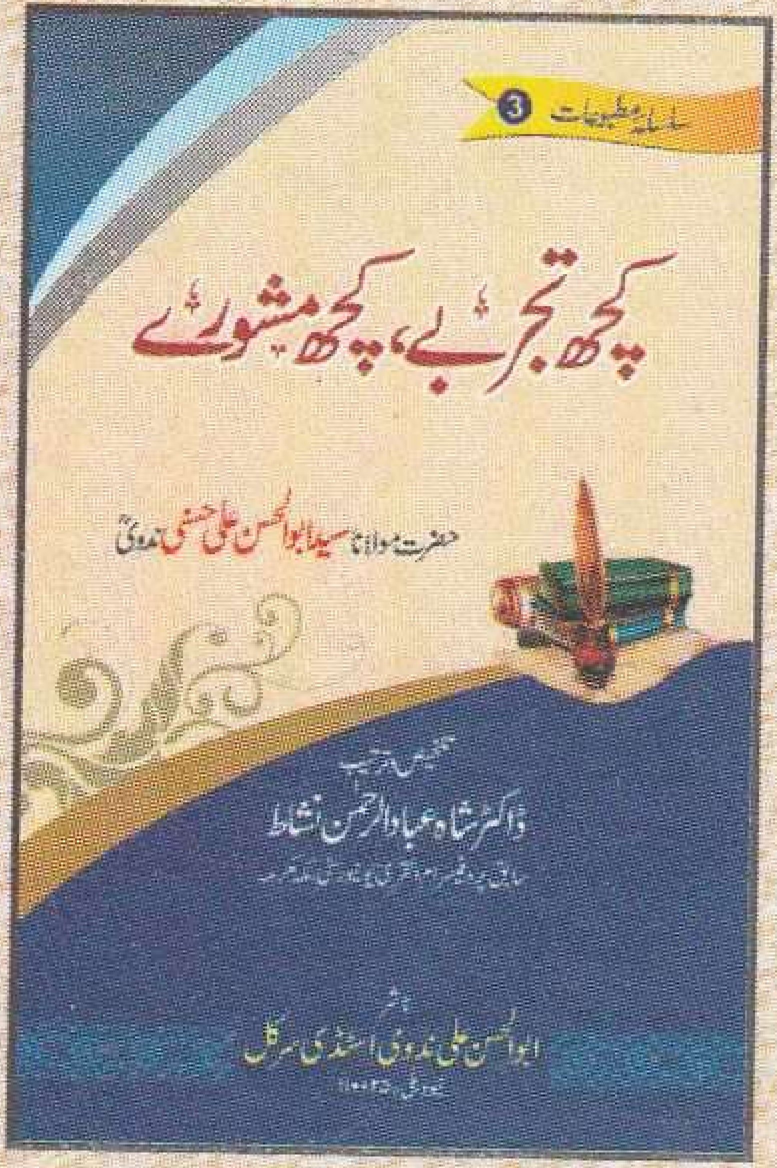


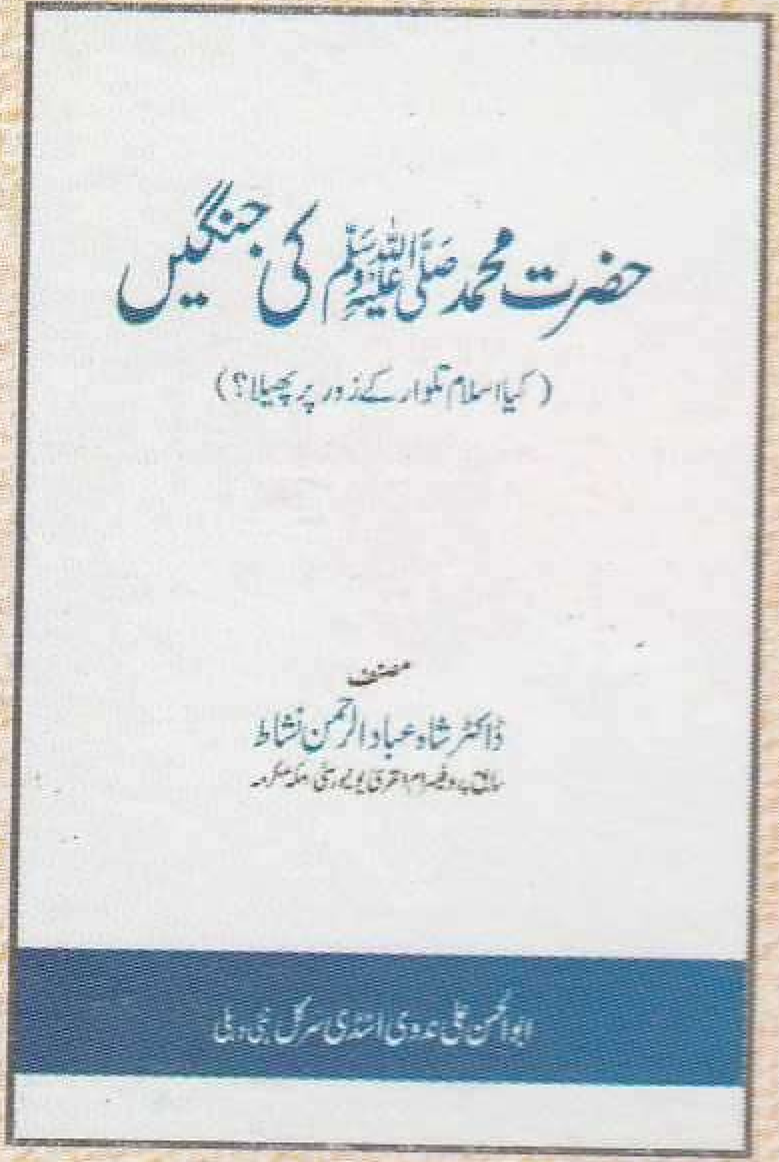












Published by :

ABUL HASAN ALI NADWI STUDY CIRCLE

H-14, Abul Fazal Enclave, Part-1, Jamia Nagar
New Delhi-110025 M.: +91-9918237391

98